ڈاکٹر محمد اصغر سیال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اقبالیات، دی اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور

ڈاکٹر محمد رفیق الاسلام
صدر نشین، شعبۂ اقبالیات، دی اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور

سرسیّد احمد خان اور علامہ محمد اقبال کی غرب شناسی کا تقابلی جائزہ

Abstracts

A Comparative Analysis of Westernization of Sir Syed Ahmad Khan and Allama Muhammad Iqbal

By Dr. Muhammad Asghar Sial, Asst. Prof., Dept. of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

HoD, Dept. of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

This research paper explores the profound impact of two influential personalities, Sir Syed Ahmed Khan(1817-1898) and Allama Muhammad Iqbal(1877-1938), on the history of United India amidst 1000 years of Muslim and 100 years of British rule. Sir Syed, a key figure in Indian scientific and economic development, left an enduring legacy in linguistics, legislation, and education, exemplified by accomplishments like "Tahzeeb-ul-Akhlaq"(1870) and the founding of Aligarh University. Delving into Sir Syed's deep fascination with Western ideas, particularly observed during his sojourn to London, the paper meticulously examines the extent of his Westernization. In contrast, Allama Iqbal, with a nuanced understanding of Western thought acquired during three

years in Europe, maintained a unique stance by prioritizing Orientalism in his philosophical ideas. Despite drawing inspiration from Western intellectuals, Iqbal remained rooted in Eastern wisdom. The comparative analysis of their Westernization unveils Sir Syed's wholehearted embrace and application of Western principles in India, while Allama Iqbal's deep Eastern influence prevented complete sway by Western ideologies. This study illuminates the delicate balance between Eastern and Western influences in the intellectual journeys of these luminaries, offering valuable insights into the historical development of United India.

Keywords: Sir Syed Ahmed Khan, Allama Muhammad Iqbal, Westernization, United India, Orientalism, Historical Development. Eastern wisdom

کلیدی الفاظ: سرسید احمد خان، علامہ محمد اقبال، مغربیت، متحدہ ہندوستان، دانشِ مشرق

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ مغرب نے اپنے رسوم و رواج، ادارہ جاتی عوامل کے ذریعے پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کو متاثر کیا ہے۔ ہندوستان طویل عرصے تک برطانوی تسلط میں رہا۔مغربی اقوام کی آمد سے برعظیم میں اُن کی فکر و دانش نے بھی قدم رکھا۔ اپنی رعایا کو رام کرنے کے لیے مستشرقین نے شرقی علوم وفنون کا مطالعہ کیا۔ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کو قریب سے دیکھا۔ اسی دور میں متوازی طور پر ہندوستان سے اولین فرد سرسید (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) تھے جنھوں نے مغربی دانش و تہذیب اور اداروں کو قریب سے دیکھا۔ برعظیم میں وہ انگریزوں کے بہت قریب رہے۔لندن کا سفر اختیار کیا وہاں کے رسوم و رواج اور افراد کا دقیق مشاہدہ کیا۔ انھوں نے اُن کی ترقی وجدت سے اثر قبول کیا اور اپنے ہم وطنوں کی اصلاح وفلاح کے لیے کام کیا۔ یوں تو کئی شخصیات ہیں جو مغرب شناسی میں پیش پیش رہیں لیکن سرسید اور علامہ اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) نمایاں ترین حیثیت کے حامل ہیں۔سرسید مغربی علوم و تہذیب سے کیوں متاثر ہوئے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو دانش کشا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی ہندوستانی تناظر میں مغربی دانشوروں اور معاشرت کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیا۔ دونوں اکابر کی مغرب شناسی ایک وسیع موضوع ہے جس میں مفکرینِ مغرب کے موافق و متضاد افکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔متحدہ ہندوستان کی تاریخ پر ان دونوں شخصیات کے اثرات بہت گہرے ہیں۔ ایک ہزار سالہ مسلم اور سو سالہ برطانوی دورِ اقتدار نے ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور فکر و نظر کو بے حد متاثر کیا۔سرسید احمد خاں نے علمی و معاشی ارتقا میں کلیدی کردار ادا کیا۔ زبان دانی، قانون سازی اور تعلیمی خدمات کے حوالے سے اُن کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

"تہذیب الاخلاق" اور علی گڑھ یونی ورسٹی دو ایسے کارنامے ہیں جن کی بدولت ایک تغیر رونما ہوا۔سرسید نے لندن کا سفر کیا۔ ان کا مطالعہ اور مشاہدہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مغرب سے کس قدر متاثر تھے۔ انھوں نے زیادہ تر مغربی دانش سے استفادہ کیا اور اس کا اطلاق ہندوستان میں کرنے کی سعی کی۔ علامہ اقبال کثیرالجہات انسان تھے۔ انھوں نے تین سال اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ میں بسر کیے۔ اس دوران میں انھیں مغرب کو قریب سے دیکھنے اور مطالعے کا موقع ملا۔ کئی مغربی مفکرین ایسے ہیں جن کا مطالعہ علامہ اقبال نے دقیق نظری سے کیا۔ انھوں نے اپنے کلام میں بھی کئی مغربی دانش وروں کی فکر سے ماخوذ نظمیں شامل کیں۔اپنے فلسفیانہ نظریات میں انھوں نے استفادہ و انحراف کی بدولت مشرقیت کو فوقیت دی۔سرسید یکسر مغرب سے مرعوب تھے جب کہ علامہ اقبال دانشِ مشرق سے بے حد متاثر تھے اس لیے انھیں مغربی نظریات زیر نہیں کر سکے۔

۱۸۷۰-۱۸۶۹ء میں سرسید احمد خان نے لندن کا سفر کیا اور خطوط و مضامین کی صورت میں حالاتِ سفر اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ کو ارسال کرتے رہے۔اس کی تکمیل ۱۱۔مارچ ۱۸۷۰ء کو ہوئی۔ اس کا عنوان انھوں نے "سفر نامہ مسافران لندن" رکھا۔[1] برعظیم کی قومی ترقی و اصلاح کے مقاصد ان کے دل میں موجزن تھے۔ اس کا اظہار "حیاتِ جاوید" میں خود سرسید کی زبانی بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔سرسید احمد خان نے واضح کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ خود انگلستان جا کر اپنے اہلِ وطن کے لیے ایک مثال قائم کریں۔ انھیں یقین تھا کہ صرف اس سفر سے انھیں فائدہ نہ ہوگا بلکہ امید ظاہر کی کہ اس کے نتائج سے جو عمدہ باتیں وہ سیکھیں گے۔ انھیں دوسروں کو بھی سکھائیں گے اور انھیں اس کی تقلید کی ترغیب بھی دیں گے۔ شیخ اسماعیل پانی پتی نے اس سفرنامے کو مرتب کیا اور مقدمے میں لکھا کہ سرسید کے دل میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ مسلمانانِ ہند کی دنیاوی ترقی اور پستی کا حل صرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ تمام امور میں مغرب کی پیروی کریں جنھیں اختیار کر کے اہلِ مغرب نے ترقی کی ہے۔[2] سرسید کی یہ رائے ہندوستانیوں کی بہتری کے لیے تھی۔ انھوں نے حالات کے دھارے کو دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے کا مشورہ دیا۔ اُن کے پیشِ نظر مصلحت کے تحت اپنی معاشی و سیاسی حالت بہتر بنانا تھا۔شاید آنے والے بیشتر مصنفین نے اسے بروقت اور درست فیصلہ قرار دیا۔

سرسید احمد خان کے حالاتِ زندگی سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ مغرب کو بہتر طریقے سے جانتے تھے۔ ان کے بعض خطوط سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے مقامی لوگوں کو جدید علوم وفنون سے آراستہ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔سیکرٹری گورنمنٹ ہند نے سرسید کو ایک خط لکھا جس کے دوسرے پیراگراف میں انھوں نے واضح کیا کہ ہمارا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ یونی ورسٹی کے نصاب کی کتابیں مقامی زبان یعنی اردو میں ترجمہ کرائی جائیں بلکہ علوم وفنون کے وسیع دائرے میں وہ طلبہ کو مستعد اور جدید علوم کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اردو زبان میں ابھی تک اس حوالے سے کافی ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ کچھ عرصے تک ہندوستان کے باشندوں کو انگریزی زبان کے ذریعے سے یہ تعلیم حاصل کرنا ہوگی۔

تیسرے پیراگراف میں انھوں نے گورنر جنرل بہادر کے اجلاس کے حوالے سے رضامندی کا اظہار کیا کہ علی گڑھ سائنٹیفک سوسائٹی نے یورپ کے علوم وفنون کو دیسی یعنی مقامی اردو زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے کوششیں کی ہیں۔[۳] اُن کی یہ کاوش لائقِ تحسین ہے۔ ترجمہ نگاری وہ واحد ذریعہ ہے جس کی بدولت کسی بھی قوم کو غیر زبان کے نہ صرف قریب لایا جاسکتا ہے بل کہ علوم وفنون کی ترسیل وحصول بھی ممکن ہیں۔ پروفیسر سید احتشام حسین نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ سرسید کے پیشِ نظر مسلمانوں کا فوری طور پر معاشی مفاد تھا کہ وہ سرکاری ملازمتیں حاصل کرلیں۔[۴] اس سے صرفِ نظر ناممکن ہے کہ فی زمانہ کوئی قوم بلا معاشی ترقی کے آگے بڑھ سکتی ہے۔ دورِ سرسید کے تناظر میں انگریز مخالفت کی بنا پر مشقِ ستم بننے والی قوم کی اصلاح وفلاح کا راستہ اپنی ذات کا مفاد تھا۔ انھوں نے خاص طور پر مسلمانوں کو تصادم سے اجتناب کا درس دیا اور اپنے مفادات کے تحفظ اور بہتری کے لیے اپنی ذات وضمیر کے برعکس تقاضائے وقت سے مفاہمت اور دور اندیشی کا مشورہ دیا۔ سرسید نے اپنی علمی وسیاسی بصیرت کی بنا پر سیاست وتعلیم میں اصلاحی کاوشوں کا آغاز کیا۔ ان نامساعد حالات میں انھیں کئی مقامات پر دشواریوں اور اپنوں کے شدید مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا تاہم انھوں نے ذات سے ماورا قوم کی حیات افروزی کا فیصلہ کیا۔

ہر آدمی کو اختلافِ رائے کا حق حاصل ہے۔ اس دور میں بھی سرسید کی ذات اور اُن کی بصیرت پر باتیں ہوتی رہیں۔ اُن کے نظریات سے اختلاف کرنے والوں میں اکبر الہ آبادی کا نام سرفہرست رہا۔ سرسید کی وفات پر انھیں خراجِ عقیدت پیش کرنے والے افراد میں بھی وہ نمایاں تھے۔ انھوں نے اُن کے کام کو تسلیم کیا۔ ''وفاتِ سرسیّدمرحوم'' کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سیّد کام کرتا تھا | نہ بھولو فرق جو ہے، کہنے والے کرنے والے میں
کہے جو چاہے کوئی، میں تو کہتا ہوں اے اکبرؔ | خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں[۵]

سرسید معاشی طور پر ہندوستانی مسلمانوں کو مضبوط بنانے کے خواہاں تھے۔ انھوں نے حصولِ ملازمت کے لیے مغربی تعلیم کی تائید کی تو ملازمتوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے سرسید کو ایک خط لکھا۔ انھوں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے سرسید سے کہا بھلا انگریزی سرکار میں اتنی زیادہ کون سے عہدے خالی ہیں جن پر ہزاروں آدمیوں کو تعینات کر دیا جائے گا اور ان کو جگہ دے دی جائے گی۔[۶] سرسید خدمتِ سرکار کو خوشحالی کے لیے لازم تصور کرتے تھے۔ اسی خط میں بابائے اردو نے ملازمت کو وجہِ ترقی قرار نہیں دیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اگر دہلی کے لوگوں نے سرکار کی ملازمت پر قناعت کرلی تو دال روٹی پر ہی اکتفا ہوگا۔[۷] سرسید کے نام ایسے خطوط سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنی ذات پر اعتراض وتنقید کی پروانہ کی۔ تحریر وتقریر کے ذریعے انھیں مختلف مقامات پر مشقِ تنقید بنایا گیا۔ سرسید چونکہ ذکی الحس سے تھے انھوں نے قومی مفادات کے پیشِ نظر عوامی ومذہبی اختلاف کو قابلِ اعتنا نہ

سمجھا۔

سرسید کی اہلیت اور قابلیت کے معترف اپنے بھی تھے اور انگریز بھی۔ حقیقی قابلیت اور ایمانداری وہی ہوتی ہے جس کی تصدیق دوسرے کریں۔ سرسید کے بارے میں ٹامس مٹکاف ریزیڈنٹ وکمشنر دہلی نے ۱۴جولائی ۱۸۵۲ء کو ان کے نام خط میں لکھا:

> ''میں اپنے ذاتی تجربے سے اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ وہ یعنی سرسید احمد خان ایمانداری اور لیاقت ذاتی میں بہت اعلیٰ درجہ کا کریکٹر رکھتے ہیں۔''(۸)

سرسید کی خدمات کا اعتراف ملکہ برطانیہ نے بھی کیا۔ ۱۱رفروری ۱۸۸۸ء کو جب ملکہ وکٹوریہ نے خطابات سے نوازا۔ اس وقت مسٹر کینڈی نے سرسید کی تعریف کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا:

> ''اہلِ فرنگ اور تمام باشندگان ہندوستان نے سید صاحب کی وسیع عقل اور حب الوطنی سے بہت کچھ سیکھا ہے ان کی ذات میں عرفان شباب سے دو اوصاف خاص طور پر پائے جاتے ہیں ایک علم کی محبت اور دوسرے حب الوطنی یہ دونوں صفات بیک وقت کہ ایک وجود میں بہت کم دیکھی گئی ہیں۔ انھوں نے اہلِ فرنگ اور اہلِ ہند کے درمیان اتفاق و اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کے لیے ایسی اعلیٰ امداد دی جو بہت کم لوگوں نے دی ہوگی۔ سرسید اپنی وسیع ہمدردی، دانشمندی، تجربہ کاری، سرگرمی، مستعدی، مستقل مزاجی اور الوطنی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔''(۹)

انھوں نے مزید کہا کہ سرسید احمد خان اعلیٰ ظرف اور بلند پایہ شخصیت کے حامل انسان ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ملک کے اپنے لوگ اور تاج برطانیہ کی سربراہ ملکہ وکٹوریہ بھی ان کی عزت کرتی ہیں اور ہم سب بھی نہایت محبت اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔(۱۰) جدید نظریات کے باعث سرسید کو انگریز حکومت نے ۱۸۸۸ء میں اس وقت سر کے خطاب سے نوازا جب تاج برطانیہ ہندوستانی اور خاص طور پر مسلمانوں کے انتہائی خلاف اقدامات میں مصروفِ عمل تھا۔ انھوں نے انگریز کو اُن کی زبان میں اصل حقائق سے آگاہ کیا۔ اس کے برعکس بعض کٹر قسم کے مذہبی عقائد کے حامل افراد نے اُن سے شدید اختلاف کیا۔ انھوں نے جدید تعلیم اور سیاسی مفاہمت کی بھی مخالفت کی۔

یہ سرسید احمد خان کا دل گردہ تھا کہ انھوں نے ایسے خطوط کو جس میں انھیں غلیظ گالیاں دی گئیں تاکید کر دی کہ یہ خط ان کی سوانح عمری میں لازماً شامل کیا جائے مگر مولانا الطاف حسین حالی نے مکمل فحش خط کو "حیات جاوید" میں شائع کرنا نامناسب سمجھا۔(۱۱) سر سید اپنے آپ کو ایک انسان کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انھوں نے تعریف کی بجائے نازیبا خطوط کو بھی اپنے سوانحِ حیات میں شامل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

اردو نثر میں سادگی سرسید احمد خان نے مغربی دنیا سے اردو میں منتقل کی۔ فورٹ ولیم کالج میں تخلیق ہونے والے تراجم نے اردو نثر کو نئے زاویے عطا کیے۔ ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں کہ سرسید احمد خاں نے آغاز سے ہی سہل، سادہ اور عام فہم نثر کا استعمال کیا۔ اُن کی کسی کتاب میں گنجلک اور مقفیٰ انداز دکھائی نہیں دیتا۔(۱۲) ادبی تخلیقات میں فکر کے ساتھ ساتھ اسلوبی تغیر سرسید کے مرہونِ منت ہے۔ انھوں نے شاعری کی بجائے نثر کو اپنایا۔ اپنے رفقا کو بھی اس کام پر لگایا کہ دل کی بات دل تک پہنچانے کے لیے آسان اردو کو اپنائیں۔ مغربی دنیا سے انھیں جو اسلوب ملا انھوں نے قوم کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اصلاح و تربیت کی جو تحریری سلسلہ سرسید نے مغرب میں دیکھا اسے ہندوستان میں برتنے کی کامیاب کوشش کی۔ لندن میں قیام کے دوران میں انھوں نے مضامین کی اشاعت اور قومی تہذیب کا جو ماحول مشاہدہ کیا اس کی تخلیق کے لیے اپنے وطن میں تجربہ کیا۔ ایک ایسا مجلہ جو قومی تہذیب و ترقی میں معاون ہو کے لیے انھوں نے دن رات صرف کیے۔ ہندوستان میں اس قسم کے رسالے کی ضرورت کو انھوں نے محسوس کیا۔ مقاصد کا تعین کیا۔ سرسید نے "تہذیب الاخلاق" کے ذریعے مغرب کی ترقی کے جو نکات اخذ کیے ڈاکٹر سید عابد حسین نے انھیں نو مقاصد میں منقسم کیا ہے۔ پہلا آزادیٔ رائے ہے کہ مسلمان مسلسل تقلید کے باعث ایسے پست ہو چکے ہیں کہ رائے کی آزادی اور تہذیب سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔ دوسرا مسلمانوں کے عقائد کتب میں کچھ اور ہے جب کہ دلوں میں عمل مختلف ہے۔ تیسرا ہندوستانی مسلمان توہمات کو مذہبی افعال سمجھ کر کرتے ہیں۔ چوتھا مذہب کے بعض مسائل پر تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے۔ پانچواں بعض دینی مسائل کی تصحیح کی ضرورت ہے۔ چھٹا بچوں کی تعلیم کا ایسا طریقہ رائج کرنا چاہیے جس سے دینی اور دنیوی علوم کی ترقی کا حصول ممکن ہو سکے۔ ساتواں صرف تعلیمی طریقہ ہی کافی نہیں بل کہ اسباب تعلیم کا میسر ہونا بھی ضروری ہے۔ آٹھواں عورتوں کی تعلیم ضروری ہے اور اس سلسلے میں دستکاری کی تربیت کا انتظام کیا جائے۔ نواں صنعت وحرفت کا فروغ قومی ترقی کے لیے ازحد ضروری ہے۔(۱۳) یہ تمام اقدامات مستقبل میں اہلِ ہندوستان کی تقدیر بدلنے میں نہایت معاون ثابت ہو سکتے تھے۔

سرسید نے "رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند" ۱۸۵۸ء میں مراد آباد سے شائع کرایا۔ یہ اُن کی وطن سے محبت اور جرأت کا ثبوت ہے کہ ہنگامۂ غدر میں سرکار بہادر جب اہلِ ہند سے عموماً اور مسلمانانِ ہند سے خصوصاً بے زار تھی۔ رسالہ مذکور میں سرسید نے ثابت کیا کہ حکومت کی خرابیوں اور خامیوں کی وجہ سے یہ نوبت آئی۔ جملہ بد تدابیر اور بے جا سختیوں کو تحریر کیا گیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ اس کا سبب قانون سازی، مشورہ و تدبیر اور حکومت وعوام میں باہمی تبادلۂ خیال کا فقدان تھا۔ غلط فہمیوں کی وجہ سے حالات خراب تر ہوئے۔ اس کا ایک نسخہ ہندوستانی سرکار اور باقی پانچ سو کے قریب رسائل برطانیہ بھجوا دیے گئے۔ وہاں تراجم کے بعد اکثر و بیشتر مغربی دانشوروں نے اسے سرسید کی طرف سے عملِ خیر خواہی قرار دیا۔ بعض نے سرسید کو مفسد و غدار قرار دیتے ہوئے سزا کا مطالبہ بھی کیا۔ لیکن سرسید مغرب شناس تھے وہ

جانتے تھے کہ حقائق و دلائل کی بنا پر ایسا نہیں ہو گا۔ (۱۴) اُن کا یہ قدم ہندوستانی تاریخ میں ایسا کام تھا جس نے تاریخ اور انگریز تعصب کو مصلحتِ وقت سے فکری ہم آہنگی کی طرف مائل کیا۔

مغرب میں اسلام کے خلاف غلط فہمیاں پھیلائی گئیں۔ ولیم میور اور دیگر نے غلط تاثر پیش کیا۔ ایسے میں سدباب کی اشد ضرورت تھی۔ اس دور میں سرسید نے اسے اپنا فرضِ اولین قرار دیتے ہوئے اپنی ہر ممکن کوشش کی۔ انھوں نے مذہبی محاذ پر جو عمدہ کاوش "خطباتِ احمدیہ " کی صورت میں پیش کی وہ اہلِ مغرب کے شناسا کے علاوہ کوئی بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اسلام مخالف مشنری تاک میں تھے کہ کسی طرح سے مسلمانوں کو اپنے دام میں لے لیں۔ انگریز حکمران بھی خائف تھے کہ جن سے حکومت لی ہے وہ واپس اقتدار میں نہ آجائیں۔ سرسید نے لیفٹیننٹ گورنر صوبہ شمال مغرب سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد ﷺ" کا جواب مدلل اور اسی اسلوب میں دینے کا فیصلہ کیا۔ ایسے میں سرسید نے برطانوی، عربی، جرمن اور لاطینی کتب کا دقیق مطالعہ کیا اور بارہ مقالات تحریر کیے۔ ایک قابل انگریز سے ترجمہ کرایا اور لندن سے ہی ۱۸۷۰ء میں "خطبات احمدیہ" کی اشاعت ہوئی۔ انھوں نے ولیم میور کی ناانصافیوں اور تعصّبات کے ایک ایک حرف کا تحقیقی جواب دیا۔ لندن سے واپسی پر سرسید احمد خاں نے اسے مفصل مرتب کیا اور اردو میں بھی شائع کیا۔ (۱۵) ایسے میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ اس چیز کے قائل تھے کہ علمی اختلافات کا جواب علمی دلائل سے دیا جائے۔

سرسید احمد خان کی خط کتابت مغربی مفکرین سے بھی رہی۔ انھوں نے انگریزوں کو کئی خطوط تحریر کیے۔ محمد اسماعیل پانی پتی نے سرسید کو لکھے گئے خطوط کو ترتیب دیا ہے اس میں شامل انگریزوں کے خطوط میں مسٹر جارج پامر، آنریبل جسٹس ڈیگلسن اسٹریٹ، پروفیسر گارسن ڈٹاسی، مسٹر کے ڈیٹن، سیکرٹری گورنمنٹ ہند، جے۔ ڈبلیو۔ کے۔ ای، ملکہ وکٹوریا اور مسٹر ولسن سپیشل کمشنر کے نام شامل ہیں۔ انھوں نے مغرب کو کس طریقے سے دیکھا اس کا اندازہ ان خطوط سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو مغربی مقتدر شخصیات نے سرسید کو تحریر کیے۔ ۱۹/ اگست ۱۸۵۷ء کو جارج پامر نے سرسید کو جو خط لکھا اس سے اُن کی قربت اور انتظامی امور میں شمولیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

> ”مگر ہر طرح لازم ہے کہ بجنور میں بے انتظامی نہ ہو اور چونکہ عشرۂ محرم درپیش ہے، (اس لیے) یقین ہے کہ آپ نے تدبیر انتظام اس کی کی ہوگی۔ اور آپ اطمینان رکھیں کہ صاحب کلکٹر اور ہم معہ مدد کے جلد ارادہ تشریف لانے کا ضلع میں رکھتے ہیں۔ چنانچہ کمشنر بہادر ضلع میرٹھ فوج کامل جمع کرنے میں واسطے بندوبست ضلع کے ہر وقت مصروف ہیں اور ہزاروں تدبیر کرتے ہیں۔ مگر آپ کو بخوبی واضح ہے کہ بلا فوج کامل ہمارا آنا غیر مناسب ہے مناسب ہے کہ تھوڑے عرصے تک بات آپ (ضلع کا) انتظام رکھیں۔ اور بندوبست ہر کارانِ ڈاک کا بجنور سے میرٹھ تک بخوبی ہو گیا

(ہے) نسبت جاری ہونے آمد ورفت خطوط کے تدبیر فرماویں۔ جو کچھ یہاں کی خبر ہے اس جا پر منتشر ہو جاوے تا کہ اسے بھی صفائی ہوا کی متصور ہو (کذا)۔ اور جو کچھ آپ کی جانب سے کوشش اور خیر خواہی سرکار میں ظاہر ہے بھولی نہ جاوے گی اور سب رئیسان سے ہمارا سلام کہہ دیجیے۔ اس وقت شب بہت گزری۔ اس باعث سے (ان کو) خط علیحدہ نہیں لکھا گیا۔ ان کی ملاقات سے ہم کو بہت دل جمعی حاصل ہوئی ہمیشہ حالات وہاں سے اطلاع فرماتے رہیں۔''(۱۶)

دسمبر ۱۸۹۰ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے پانچویں سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد میں جسٹس ڈیگلسن اسٹریٹ کو بھی مدعو کیا گیا انھوں نے ایک مکتوب سرسید کو تحریر کیا۔جس میں کہا گیا کہ میرے یہ خیالات کانفرنس میں موجود شرکاء تک پہنچا دیے جائیں۔سرسید نے اردو ترجمے کے ساتھ انھیں کانفرنس میں پیش بھی کیا۔جس میں کہا گیا کہ سرسید احمد خان جس کام میں سرگرم ہیں اس میں مستقبل کی علاماتِ ترقی پنہاں ہیں۔ساتھ ہی انھوں نے تعصب، جھوٹے غرور اور تنگ دلی کی رکاوٹوں کا تذکرہ کیا جس میں دورِ حاضر سے چند سال بیشتر تک ذی رتبہ اور شرفا مسلمان مبتلا رہے۔ ایسے لوگ تعلیمی فوائد کی طرف سرد مہری اور مخالفت اختیار کیے ہوئے تھے جبکہ ان کے مقابلے میں دوسری اقوام نے بھرپور مفاد اٹھایا۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ جلد یہ رکاوٹیں ختم ہو جائیں گی۔مسلمان جو ان کی رعایا میں شامل ہیں اچھے عہدوں پر فائز ہوں گے اور ریاست کے تمام عہدوں میں داخل ہونا اور ہر پیشے میں شمولیت پسند کریں گے۔ انھوں نے مبارکباد پیش کی اور کہا کہ اس سے ان کو سبق مل گیا کہ ہر فرد اور تمام افراد کو جلد یا دیر سے اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ تعلیم سے انکار عقلی ترقی کے منافی ہے۔ آخر میں اپنے متعلق بھی بتایا کہ وہ ہر طرح کی ذاتیات سے مبرا ہیں اور اس پر خوش ہیں کہ کانفرنس نے سب کو خاص امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔(۱۷) سرسید کے ان اقدامات سے انگریز بھی شاد تھے کہ انھوں نے علمی و عقلی ترقی کے لیے ہندوستانیوں کو آمادہ کیا ہے۔ساتھ ہی واضح ہوگیا کہ اختلافات کا تصفیہ ہو رہا ہے۔ انھوں نے عقل و دانش سے کام لیتے ہوئے اسی محاذ کو چُنا جو مسلمانانِ ہندوستان کے لیے کامیابی کا باعث ثابت ہو۔

سرسید نے مستشرقین سے بھی رابطہ رکھا۔ اسے حوالے سے پروفیسر گارسن ڈٹاسی (۱۷۹۴ء۔ ۱۸۷۸ء) کا نام سرفہرست ہے۔ دور رہ کر اُردو زبان کی تعلیم میں دلچسپی نے انھیں نمایاں کر دیا ہے۔ زبان اور رسم الخط سے اُن کی آشنائی بھی منفرد مثال ہے۔ انھوں نے سرسید کو ۲۷/ اگست ۱۸۶۹ء کو ایک خط لکھا اس وقت سرسید لندن میں مقیم تھے۔ اس خط کی خاص بات یہ ہے کہ اسے انھوں نے اردو رسم الخط میں لکھا۔

سرسید احمد خاں اپنے دور کے تعلیمی اداروں میں تعینات سربراہان سے روابط میں رہے۔ ۱۲۔ جولائی ۱۸۷۸ء کو مدرسہ کلکتہ کے پرنسپل ہنری فریڈینڈ بلوک مین کا انتقال ہوا۔ اس موقعے پر سرسید احمد خاں نے اپنے تعزیتی خط اُن کی

خدمات کو سراہا اور لکھا:

علم و ہنر کا کیا ہے، ہے خاک ہووے چرچا
جب لائقوں کے خوں کا یہ دہر ہو پیاسا

آج ہندوستان میں تکمیل تحصیل علومِ عربی و عبرانی میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ راست بازی اور صفائی طینت کی یہ کیفیت تھی کہ جس سے ان کو سابقہ ہوا وہ انکا مداح اور معرف ہوگیا۔ ان کے انتقال سے مدرسہ کلکتہ کو اور ایشیا ٹک سوسائٹی کو نہایت صدمہ پہنچا ہے۔ ایشیا ٹک سوسائٹی میں یہ بزرگ اکثر مضامینِ عمدہ درج کیا کرتے تھے۔ (۱۸)

مسٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ اسمتھ سابق مہتمم بندوبست ضلع علی گڑھ کی یکم جون ۱۸۷۹ء کو پیرس میں وفات ہوئی تو سرسید احمد نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا:

''بندوبست کا کام اگرچہ مشکل اور نا رضا مندی رعایا کا باعث ہے۔ مگر درحقیقت صاحب ممدوح (مسٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ اسمتھ) نے ایسے انصاف اور لیاقت سے کام کیا تھا کہ گورنمنٹ بھی راضی رہی اور تمام زمیندار اور تعلقدار اور کاشتکار سب دل سے رضا مند اور خوش رہے۔'' (۱۹)

سرسید احمد خان نے اپنے سفر کے دوران میں انگریزوں کی ذہنیت کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا ہے اپنی کتاب "مُسافرانِ لندن" میں انگریزی ذہنیت ہندوستانیوں کے متعلق کے عنوان سے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مس کارپینٹر نے اپنی کتاب میں مختلف لوگوں سے آرا لکھوائیں انھوں نے میجر جنرل ییننگٹن سے بھی رائے دینے کو کہا تو انھوں نے ہندوستانیوں کے بارے میں لکھا "اَن گریٹ فل اینڈ ہارٹ لیس" یعنی احسان فراموش اور بے دل یا بے ہمت، ان الفاظ کے دیکھنے سے سرسید احمد خان کو بہت تعجب ہوا کہ وہ ہندوستانیوں سے ملتے ہوئے بڑے تپاک کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کی رائے عجیب سی ہے۔ اس لیے انھوں نے اسے دو طرفہ غلط فہمی قرار دیا۔ (۲۰) ایسے میں انھوں نے انگریز کی بظاہر اور الفاظ کی صورت میں متضاد رائے سے اختلاف کیا۔ البتہ وقت کا تقاضا تھا کہ اسے یکسر مسترد نہ کیا جائے اس لیے انھوں نے اسے غلط فہمی تک محدود رکھا۔

مغربی دانش کے اثرات سرسید احمد خان کی ذات پر ابتدا سے تھے۔ اُن کی بظاہر شخصیت اور روشن خیالی وسیع المشرب حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ نہایت سیکولر طبیعت کے مالک تھے لندن میں قیام کے دوران میں انھوں نے جہاں مختلف مقامات کی سیر کی وہاں ناچ گھر بھی گئے۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنی کتاب یوں کیا ہے:

"جو شخص چاہے ٹکٹ لے اور اس مکان میں جائے جب تک چاہے گانا بجانا سنے قیمت

ٹکٹ کی بقدر چھ آنہ ہندوستان کی ہے ہم تھوڑی دیر وہاں ٹھہرے اور تماشہ دیکھ کر چلے آئے کہانیوں میں بھی ایسی کیفیت نہیں سنی تھی جو آنکھوں سے دیکھی۔"(۲۱)

سرسید احمد خاں تعلیم و تربیت پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انھیں اس بات کا ہمیشہ دکھ رہا کہ اولاد کی جدید تعلیم و تربیت میں مسلمانانِ ہند بہت پیچھے رہے رہیں۔ انھوں نے مغربی ممالک میں تربیتِ اولاد کے حوالے سے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے ۱۱ فروری ۱۸۷۰ء کو اپنے سفرنامے میں لکھا:

"یقین جان لو کہ مسلمانوں کے ہونٹوں تک پانی آ گیا ہے، اب ڈوبنے میں بہت ہی کم فاصلہ باقی ہے۔ اگر تم یہاں آتے تو دیکھتے کہ تربیت کس طرح ہوتی ہے اور تعلیم اولاد کا کیا قاعدہ ہے اور علم کیوں کر آتا ہے اور کس طرح پر کوئی قوم عزت پاتی ہے۔"(۲۲)

سرسید احمد خان مغربی افکار کے مثبت اور منفی پہلوؤں سے آگاہ تھے۔ انھوں نے اس کا اظہار "خطباتِ احمدیہ" کے دیباچے میں بھی کیا کہ اعتراض و انصاف پر مبنی مغربی مفکرین کی آرا کے بارے میں ہزاروں نکات قابلِ تحریر ہیں لیکن وہ کہاں تک لکھیں۔(۲۳) ایسے حالات میں انھوں نے مغربی مفکرین سے اعتراض کی بجائے عدل و انصاف سے کام لینے کو کہا۔ ان کی تمام تر کاوشیں حقائق کی بہترین ترسیل و تفہیم کی متقاضی تھیں۔

سرسید احمد خاں کے تعلقات اعلیٰ سطح تک تھے۔ انھوں نے برطانوی دربار تک رسائی حاصل کی ہوئی تھی۔ عام طور پر کسی کی تعریف زبانی تو مشکل ہوتی ہے اگر تحریری ہو تو مشکل تر ہوتی ہے۔ سرسید کا انداز اس سے ذرا مختلف رہا ہے۔ وہ تعریف کے وقت بھی اپنے الفاظ کی بجائے دوسروں کے اقوال کو پیش کرتے رہے۔ اس کی ایک مثال لارڈ بروہم کے قول کے ذریعے خود ملکہ وکٹوریہ کی تعریف ہے۔ جس میں انھوں نے لارڈ بروہم کے قول کو حقیقت پر مبنی قرار دیا کہ کسی بھی ملک میں ایسی ملکہ نہیں آئیں جو حکومتی اور نجی باتوں میں سب سے زیادہ قابل تعریف اور عوام کی مستحقِ تشکر ہوں۔(۲۴) سرسید صاحبِ مطالعہ تھے اس لیے انھوں نے تعریفی کلمات اپنی ذات سے منسلک کرنے کی بجائے ایک انگریز کے قول پر اکتفا کیا۔

مغرب میں پہنچ کر سرسید نے ہندوستانیوں کا تقابل وہاں کے عوام سے کیا۔ سرسید احمد خان نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ حقوق کے حوالے سے ہندوستان اور انگلستان کے عوام میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ قانون سازی اور امورِ سلطنت میں ایک غیر مؤثر اور دوسرے بااثر ہیں۔(۲۵) ساتھ ہی انھوں نے ہندوستانی عوام کے لیے لازم قرار دیا کہ وہ اپنے اندر ایسی لیاقتیں پیدا کریں جو انگلستان کے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔(۲۶) ہندوستانی عوام کی اخلاقی و علمی تربیت کے لیے یہ ضروری تھا کہ انھیں مغرب کی عمدہ تہذیبی روایات سے بھی آگاہ کیا جائے۔

مغربی دانش کا اثر سرسید احمد خاں نے خوب لیا۔ انھوں نے اڈیسن کے کئی اقوال اپنے مضامین میں درج کیے۔

انھوں نے تائید و تردید کا اظہار بھی کیا۔"اخلاق" کے عنوان سے انھوں نے اپنی رائے اس طرح پیش کی:

> "میں سمجھتا ہوں کہ اعتقادیات میں اور عملیات میں جس کو مسٹر اڈیسن اخلاق کہتے ہیں، کچھ علاقہ نہیں ہے۔ انسان اعتقادیات پر کتناہی زیادہ خیال کرے اس کے اخلاق میں کچھ تفاوت نہیں ہوسکتا۔"(۲۷)

سرسید کی ذات صاف گو تھی۔ انھوں نے اگر مغربی مفکرین کی گنجلک تحریر دیکھی تو اپنے ابہام کا بھی اظہار برملا کیا۔ جانسن سے وہ بہت متاثر تھے۔ ان کی تحریر کردہ کتاب"سر اب حیات" کے بارے میں انھوں نے خیالات کی پیچیدگی کا ذکر کچھ اس طرح کیا:

> "اس کتاب نے بعوض سلجھانے کے میرے خیالات کو الجھا دیا اور یہ سوال پیدا ہوا کہ "کس لیے آئے تھے؟"(۲۸)

القصہ سرسید احمد خاں نے مغرب سے اس قدر اثرات لیے کہ ہندوستانی عوام کو اُن کی تقلید کا مشورہ دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اس کے بغیر ترقی اور خوشحالی ناممکن ہے۔ تاریخی اعتبار سے اُن کا ایک خاص اثر ہے۔ انھوں نے انتظامی معاملات میں مغربی مفکرین کو بطور مثال پیش کیا۔ جدید علوم کے فروغ و ترقی میں انھیں رہنما قرار دیا۔ علامہ اقبال بھی سرسید کے اس نظریے کے حامی تھے کہ سائنس اور مذہب میں کسی قسم کا تضاد نہیں پایا جاتا۔ انھوں نے اپنی شاعری میں اس کا اظہار بھی کیا:

برگ و ساز ما کتاب و حکمت است
این دو قوت اعتبارِ ملت است(۲۹)

(کتاب اور دانائی ہی ہمارا سرمایہ ہے۔ انھی دو قوّتوں پر قوم کا دار و مدار ہے۔)

علمائے سہارن پور کی طرف سے جب سرسید پر کفر کا فتویٰ لگا تو علامہ اقبال نے اُن کے دفاع میں لکھا کہ انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر، تہذیب الاخلاق اور علی گڑھ کالج قائم کیا نہ کہ مسائل الٰہیات پر تحریر کیا۔ اُن کا مقصد مسلمانوں میں اپنی وحدت کا احساس پیدا کرنا تھا کہ وہ ایک قوم ہیں۔ اس لحاظ سے قوم کو سمجھ لینا چاہیے کہ مغربی معاشی و سیاسی اور جدید علوم وفنون میں اجتہادات باعث اختلاف نہ تصور کیے جائیں۔ انھیں خوف نہیں کھانا چاہیے کہ جو دینی اور علم و حکمت کی جو رَو برطانوی تسلط سے جاری ہوئی ہے ہم اس سے مستفید ہوسکتے ہیں اور ہونا چاہیے۔ اسلامی عقائد کو ان سے کوئی خطرہ نظر نہیں آرہا۔(۳۰) اُن کے مقابلے میں علامہ اقبال کا کردار اُن سے مختلف رہا۔ سرسید قومی مصلح اور مدّبر تھے۔ اُن کی نیت پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ جنوری ۱۹۰۳ء میں سرسید کے بارے میں علامہ اقبال کی رائے کا اظہار"مخزن" میں شائع ہوا۔ بعد میں بانگِ درا میں مرقوم نظم"سید کی لوحِ تُربت" کے عنوان سے طبع ہوئی:

اے کہ تیرا مرغِ جاں تارِ نفس میں ہے اسیر
اے کہ تیری روح کا طائر قفس میں ہے اسیر (۳۱)

انھوں نے سرسید کی زبانی واضح کیا کہ دینی تعلیم کے لیے ترکِ دنیا کی تعلیم دینا نامناسب ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

مدعا تیرا گر دنیا میں ہے تعلیمِ دیں
ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں (۳۲)

علامہ اقبال کی مغرب شناسی پر اولین مقالہ جگن ناتھ آزاد (۱۹۱۸ء-۲۰۰۴ء) نے لکھا جو ماہ نامہ "آج کل" میں شائع ہوا۔ بعد ازاں انھوں نے اس موضوع پر "اقبال اور مغربی مفکرین" کے عنوان سے ایک سو نوے صفحات پر مشتمل کتاب لکھی علامہ اقبال نے مغرب کو کس حد تک قبول کیا اور کس حد تک رد کیا۔ اس کیفیت کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب اردو، فارسی اور فلسفے کا دقیق مطالعہ کیا جائے۔ ۳/ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو "اقبال اور مغرب" کے عنوان سے ایک سیمی نار منعقد ہوا جسے بعد میں بارہ مقالات کی شکل میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کے پیش لفظ میں آل احمد سرور لکھتے ہیں کہ اقبال کو عالمی تعارف مغرب نے عطا کیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ اقبال مغربی خوشہ چیں اور مغرب مخالف تصور کرنا دونوں صریح اغلاط ہیں۔ اقبال کا دقیق مطالعہ کیا جائے تو علم ہو گا وہ مغرب، ہندوستان اور اسلام تینوں اقالیم کے شاعر ہیں۔ اُن کے انتخابی دماغ نے مشرق و مغرب کا گہرا مطالعہ کیا مگر اُن کا نظامِ فکر مکمل طور پر ذاتی ہے۔ آلِ احمد سور نے لکھا ہے کہ علامہ اقبال برِ اعظم یورپ کے خاص طور پر جرمنی کے فلاسفہ سے متاثر تھے۔ ہیگل اور گوئٹے کے اثرات کا اعتراف انھوں نے کیا بھی ہے۔ "پیامِ مشرق" جیسا شاہکار گوئٹے کا جواب ہے۔ شرق میں انھوں نے پیرِ رومی کا سب سے زیادہ اثر قبول کیا ہے۔ (۳۳) دینی بنیاد کے باوجود اُن کی پہچان انسانیت اور آفاقیت ہے۔ اقبال کی خاصیت یہ ہے کہ وہ مغرب پرستی کی رو میں نقاد کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ پروفیسر سید وحید الدین کے مطابق فکرِ اقبال کسی مخصوص راستے کی محتاج نہیں بل کہ اُن کے فکری محرکات چاہے ہندوستانی روحانیت سے عبارت ہوں یا مغربی فکری کشمکش کا نتیجہ یا مسلم شعورِ حیات، ہر صورت میں اُن کی فکری ڈگر میں ممانعات ایسے نہیں کہ حائل ہوں۔ (۳۴) تجلیٔ شرق کے ذریعے وہ تاریکیوں کو دور کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اقبال کی جدید مشرقیت مغرب سے ہی وجود میں آئی۔ انھوں نے قومی تشخص کی مضبوطی پر زور دیا۔ (۳۵) علامہ اقبال پر زیادہ تر کام اسلامی فکر کے تناظر میں کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال خود اس کے قائل تھے کہ فلسفے پر قطعیت کا اظہار ممکن نہیں۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ علامہ اقبال کے مقاصد اسلامی تھے لیکن قومی قلم کاروں نے اُن کی فکر کو مغربی غایتوں کی طرف زبردستی لا رہے ہیں جس کے خود اقبال شدید مخالف تھے۔ (۳۶) انھوں نے حصولِ علم کے لیے مغرب کا سفر کیا۔ قیامِ یورپ کے دوران میں اُن کا مشاہدہ اور مطالعہ مغرب شناسی کا عمدہ اظہار ہے۔ تحقیق غیر جانبداری کا نام ہے لیکن ہمارے ہاں اکثر محققین نے دینی جوش و خروش میں یہ

ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ اقبال نے مغربی مفکرین کی تردید کی ہے۔عظیم شاعری اور فلسفہ تردید و تائید سے ماورا ہوتے ہیں۔ وسیع المطالعہ اور عظیم شاعر دیگر مفکرین کے نظریات سے اثر قبول بھی کرسکتے ہیں اور اثر انداز بھی ہوسکتے ہیں۔جگن ناتھ آزاد تحریر کرتے ہیں:

"اقبال ایک ایسے ہی بڑے فن کار ہیں۔ انھیں کسی محدود اور تنگ نظریے کی چار دیواری میں مقید کرنا اقبال کے ساتھ ہی نہیں ہندوستان کے سارے مشرق کے ادب کے ساتھ بے انصافی کرنے کے مترادف ہے۔[۳۷]

علامہ اقبال کی زندگی میں مشاہدۂ مغرب کا عرصہ ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء پر محیط ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول اور مغرب کا قریبی مطالعہ اقبال کے ذہنی وفکری ارتقا کا تغیراتی دور تھا۔ٹرینٹی کالج، کیمرج سے گریجویشن اور لنکنز اِن سے بار ایٹ لا کا سفر شروع ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے لکھا ہے کہ علامہ اقبال جس وقت تحقیق ومطالعہ میں مصروف تھے اُن کے ذہن میں ایک خلجان پیدا ہوا جو آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ اُن کے تصوف کے بارے میں نظریات تغیر کا شکار ہوگئے۔[۳۸] کشمیر یونی ورسٹی کے شیخ الجامعہ رئیس احمد نے ایک سیمی نار میں واضح کیا کہ جس دور میں علامہ اقبال یورپ گئے اس وقت ایٹم، الیکٹرو ریڈیو ایکٹیوٹی، ایکسرے وغیرہ کی ایجادات منظرِ عام پر آئیں۔یقینی بات ہے کہ اس سے اقبال نے ضرور اثر لیا ہوگا۔سوشلزم اور مارکسزم کے استحصال کا عکس اُن کی شاعری میں دیکھا جاسکتا ہے۔[۳۹] انھوں نے اپنی فکر و روایات کے تناظر میں ان کے مضمرات کو پیش کیا۔

علامہ اقبال کا اصل مضمون فلسفہ تھا۔ انھوں نے اسلامی اور مغربی فلاسفہ کا گہرا مطالعہ کیا۔ یونان کو فلسفے میں کلیدی مقام حاصل ہے۔ علامہ اقبال نے افلاطون کے نظریہ اعیان سے اتفاق نہیں کیا۔انھوں نے اس کا اظہار مثنوی کے حاشیہ میں بھی کیا ہے۔ اس کا ذکر مثنوی اسرارِ خودی سے قبل ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے "ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا" میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔[۴۰] ڈرامے کے بارے میں اُن کی رائے افلاطون نے مختلف تھی۔ انھوں نے کائنات کو ارتقائے عمل قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ڈرامے اور تیاتر کے بارے میں متضاد نظریہ پیش کیا، اُن کی رائے میں تصورِ خودی ذات کی بقا ہے اور انسان کا جزوِ لاینفک ہے۔[۴۱] جب انسان ڈرامے میں اداکاری کرتا ہے تو اس کی ذات پسِ پشت چلی جاتی ہے۔ اس لیے علامہ اقبال نے اسے استحکام وتعمیرِ خودی کے خلاف قرار دیا ہے۔

علامہ اقبال کی زندگی میں فلسفے کی ترغیب کا باعث جو شخصیت بنی وہ ان کے استاد تھامس واکر آرنلڈ (۱۸۶۴ء-۱۹۳۰ء) ہیں۔خود اُن کے استاد بھی اقبال سے متاثر تھے۔انھوں نے اپنے استاد کی وفات پر "نالۂ فراق" کے عنوان سے ایک نظم بھی تحریر کی۔ استاد اور شاگرد کے تعلق اور کسبِ علم کے حوالے سے یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

نخل میری آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا
آہ! کیا جانے کوئی، میں کیا سے کیا ہونے کو تھا(۴۲)

"اسرارِ خودی" کے مترجم ڈاکٹر آر۔ اے نکلسن نے "دی سیکرٹ آف دی سیلف" میں علامہ اقبال کی شخصیت اور ذہانت کی تعریف کی۔ انھوں نے کیمبرج میں فلسفے کی تعلیم کے دوران میں اقبال کی شخصیت کو محکم اور تخلیقی انسان کے روپ میں پایا۔ انھوں نے اقبال کی خیال افروزی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

"ہند میں واپس جانے کے بعد انھوں نے اپنا ایک فلسفہ پیش کیا ہے جو صاحب فکر مسلمانوں کے لیے لازماً گہری دلچسپی کا موجب ہے ہر اس شخص کے لیے بھی جو یہ سوچتا ہے کہ مستقبل میں اس ملک اور یورپ کے تعلقات بالعموم اہلِ اسلام کے ساتھ کس نوعیت کے ہوں گے اور یہ کتنا ضروری ہے کہ اُن کے نظریات اور آرزوؤں کو سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔(۴۳)

قیامِ یورپ کا عرصہ علامہ اقبال کی فکری تشکیل و ارتقا میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار تحریر کرتے ہیں:

"اقبال ٹرینٹی کالج، کیمبرج میں داخل ہوئے۔ لنکنز ان میں بار ایٹ لا کے لیے نام رجسٹر کروایا۔ (٦ نومبر ۱۹۰۵ء) کیمبرج سے بی۔ اے کیا اور پروفیسر میک ٹیگرٹ کی نگرانی میں " ایران میں مابعد الطبیعیات" کے موضوع پر اعلیٰ تحقیق کے لیے کام شروع کیا۔ تحقیقی مطالعے کے دوران مروجہ تصوف اور وحدت الوجود کے تصور کے بارے میں کچھ شکوک پیدا ہونے لگے۔ خواجہ حسن نظامی اور ان کے ذریعے شاہ سلیمان پھلواری سے ان مسائل پر خط کتابت کی۔"(۴۴)

کیمبرج میں جن شخصیات کے لیکچرز میں شریک ہوتے رہے ان میں امنوئل کانٹ (۱۷۲۴ء- ۱۸۰۴ء) اور ہیگل (۱۷۷۰ء-۱۸۳۱ء) کے موضوعات پر پروفیسر میک ٹیگرٹ (۱۸٦٦ء- ۱۹۲۵ء) کے دروس نمایاں ہیں۔ عام اذہان کے اور اقبال کی فکر پر اُن کے اثرات کا جائزہ لیا جائے تو نتائج مختلف ہوں گے۔ اقبال نے بتایا کہ خدا کے عدم وجود کے بارے میں میک ٹیگریٹ کی پُرزور منطق پر وہ خاموش تو ہو جاتے تھے لیکن اُن کے تصورات کے قائل نہیں ہو سکے۔(۴۵) انھوں نے اس بات کا خود بھی اعتراف کیا کہ خدا کے عدم وجود کے مغربی نظریے کے بارے میک ٹیگرٹ کی بھرپور منطقی گفت گو بھی انھیں اپنا ہم خیال بنانے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکی۔(۴٦) عجیب معاملہ ہے کہ خود پروفیسر میک ٹیگرٹ اقبال کی شاعری پڑھتے ہوئے خوشی محسوس کرتے تھے۔ انھوں نے اقبال سے استفہامیہ انداز میں فلسفیانہ نظریات کے تغیر

کے بارے میں تحریر کیا۔ انھوں نے ایک مکتوب میں لکھا:

"میں یہ لکھتے ہوئے آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے آپ کی نظمیں پڑھتے ہوئے کتنی مسرت ہوتی ہے۔ کیا آپ نے اپنا موقف بہت زیادہ بدل نہیں لیا؟ یقیناًان ایام میں جب ہم باہم فلسفے پر گفتگو کیا کرتے تھے، آپ از حد وحدت الوجودی اور متصوف تھے۔ (۴۷)

یہ ایک حقیقت ہے کہ علامہ اقبال کو اُن کے ہم عصر ماہرینِ فلسفہ نے متاثر کن قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر اے آر نکلسن "دی سیکرٹ آف دی سیلف کے ابتدائیے میں تحریر کرتے ہیں:

''مجھے تقریباً پندرہ سال قبل ایک موقع پر شیخ محمد اقبال آف لاہور سے ملنے کی مسرت حاصل ہوئی تھی، جب وہ کیمبرج میں فلسفے کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ آدھ گھنٹے کی گفتگو کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ وہ ایک محکم شخصیت اور تخلیقی ذہن کے انسان ہیں، اور میرے اس اولین تاثر کی جلد ہی اُس تحقیقی مقالے سے توثیق ہوگئی جو انھوں نے اپنی ڈگری کے لیے پیش کیا۔ اس مقالے کا موضوع ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا تھا جو ۱۹۰۸ء میں کتابی صورت میں منظر عام پر آیا۔ ہر چند کہ یہ صرف خاکہ سا ہے، مگر اس کے بعض حصے اتنے روشن اور خیال افروز ہیں کہ جو اس موضوع پر اب تک لکھے گئے۔ اس میں اقبال نے اپنے آپ کو مسلم فلسفیوں کے نظریات کے جائزے تک محدود رکھا ہے، لیکن ہند میں واپس جانے کے بعد انھوں نے اپنا ایک فلسفہ پیش کیا ہے جو صاحب فکر مسلمانوں کے لیے لازماً گہری دلچسپی کا موجب ہے اور ہر اس شخص کے لیے بھی جو یہ سوچتا ہے کہ مستقبل میں اس ملک اور یورپ کے تعلقات بالعموم اہلِ اسلام کے ساتھ کس نوعیت کے ہوں گے اور یہ کتنا ضروری ہے کہ ہم اُن کے نظریات اور آرزوؤں کو سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔''(۴۸)

اس کا اظہار دیگر دانشوروں نے بھی کیا کہ خاموشی کے باوجود اقبال عظیم شخصیت معلوم ہوتے تھے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سارلے بیان کرتے ہیں:

''آج سے پچیس سال قبل جب ڈاکٹر سر محمد اقبال کیمبرج میں پڑھتے تھے تو اگرچہ وہ زیادہ بولتے نہیں تھے اور خاموش سے رہتے تھے، لیکن کیمبرج سے جا کر انھوں نے

جو عظمت و شہرت حاصل کی، وہ ہمارے لیے تعجب انگیز نہ تھی۔ اس لیے کہ ہم طالب علمی کے زمانے سے جانتے تھے کہ ان میں جو ہر خاص موجود ہیں اور یہ ضرور چمکیں گے۔"(۴۹)

ایک تحقیقی مضمون میں ڈاکٹر محمد نعمت اللہ(۵۰) اور عبداللہ المسعود(۵۱) نے لکھا ہے کہ علامہ اقبال کے افکار کا مرکز و محور مسلم امہ کو مغربی افکار کے حملوں سے بچانا تھا۔ انھوں نے اپنے ثقافتی ورثے اور افکار کا تحفظ کیا اور ان کی ترویج کے لیے تگ و دو کی۔(۵۲) علامہ اقبال نے اپنے مشاہدے سے مغرب کو مشرق کی نسبت زیادہ باعمل پایا۔ قوموں کی ترقی اور استحکام میں عمل جزوِ لاینفک ہے۔ بے عمل چاہے نام کا مسلمان ہو اقبال کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم (۱۸۹۳ء-۲۰۲۰ء) نے اپنی کتاب "فکرِ اقبال" میں اس کا برملا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"یورپ کے کافروں کو اقبال اپنے مسلمانوں سے زیادہ عملاً اسلام کا پابند سمجھتا ہے اور یورپ کو اس زندگی کی جو نعمتیں حاصل ہوئیں ہیں ان کو وہ اسی اسلام کا اجر شمار کرتا ہے جو ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں میں پایا جاتا ہے۔"(۵۳)

ڈاکٹر نذیر قیصر (۱۹۲۲ء-۲۰۱۳ء) کی جس کتاب پر انھیں صدارتی اقبال ایوارڈ سے نوازا گیا اس کا عنوان "Iqbal and the Western Philosophers" ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے نطشے، شیکسپیئر، فریڈرک نطشے، ولیم جیمز، ہنری برگسن اور میک ٹیگارٹ کا تقابل اقبال کے ساتھ کیا ہے۔ انھوں نے کتاب کے اختتام پر لکھا ہے:

"It may be noted that Iqbal believes God as well as immortality of human ego whereas McTaggart denies one and believes the other."(54)

"واضح رہے کہ اقبال خدا کے ساتھ ساتھ انسانی انا کی لافانییت کو بھی مانتے ہیں جبکہ میک ٹیگارٹ ایک کا انکار کرتے ہیں اور دوسرے کو مانتے ہیں۔"

برطانوی حکومت کے سرکردہ معاون ایلن او ہیوم (۱۸۲۹ء-۱۹۱۲ء) نے ہندوستانی معاشرے کی سماجی، معاشرتی اور تہذیبی تربیت کے لیے انڈین قومی کانگریس کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کے مقاصد پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے کہ برطانوی سرکار نے ہندوستانی قومیت کا ایک الگ تصور پیش کیا۔ اُن کا مقصد تھا کہ ہندوستان اور تاجِ برطانیہ کے مابین یگانگت پیدا کی جائے۔(۵۵) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے مطابق سرسید نے جو انگریز سرکار کی وفاداری کی سیاسی حکمتِ عملی پیش کی تھی وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔(۵۶) علامہ اقبال نے خالصۃً فلسفیانہ انداز میں اور نہایت سریت سے مغربی نظریات کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے ہندوستان میں ایسے نظریات کے مضمرات کو پیش کیا جو اُن کے اعلیٰ ادراک کی علامت ہیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ انسانی عقل ہر دور میں نئے اصنام

تراشے ہیں انھیں کے اسیر ہو کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مغربی نظریہ قومیت سے اختلاف کیا۔ اگرچہ اُس دور میں بعض نامور شخصیات نے مغربی نظریہ وطنیت کو بھی ہو بہو قبول کر لیا۔ فلسفہ وفکر کی تواریخ سے عیاں ہوتا ہے کہ اقبال نے دقیق نظری سے اسے محسوس کیا اور ہندوستانی معاشرے کو اس کی زہرناکی سے بھی آگاہ کیا۔ اپنی نظم ”وطنیت“ میں انھوں نے سرسید کے برعکس وطن پرستی کے سیاسی تصور کو اس انداز میں پیش کیا:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے — غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے، تُو مصطفوی ہے[۵۷]

علامہ اقبال کو سرمایہ دارانہ نظام سے شدید نفرت تھی۔ اس کا تذکرہ ان کی تحریر اور شاعری میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ آل احمد سرور نے اپنے مقالے میں لکھا ہے:

”اقبال میں ڈوب کر مطالعہ کریں تو سرمایہ دارانہ تمدن سے انھیں شدید نفرت ہے۔ وہ مغربی تمدن سے بھی اس وجہ سے نفرت کرتے ہیں کہ وہ سرمایہ دارانہ تمدن بن گیا ہے۔ اقبال مذہبی شاعر نہیں ہیں۔ اُن کا سرچشمہ قرآن ضرور ہے مگر اپنے سارے کرب میں اس طرح حال کا احساس رکھنے کا معاملہ اقبال سے پہلے نہیں ملتا۔ یعنی اُن کی مشرقیت میں مغرب کی کارفرمائی ہے۔“[۵۸]

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی تمنا تھی کہ مغربیت کے سیلاب میں نسلِ نو کو قدیم اسلامی تہذیب کی کشتی پر سوار ہونا چاہیے۔ انھیں اپنے اسلاف کے کارناموں سے آشنا ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ایک موقعہ پر اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

”میری رائے میں اقبال کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ہمیں اسلاف کے ورثوں میں دلچسپی لینے کا سبق سکھایا، مغربیت کے اس طوفانِ عظیم میں اقبال نے ہمیں قدیم اسلامی تہذیب سے وابستہ رہنے کی تلقین کی — مَیں سمجھتا ہوں کہ یہی وہ احساس ہے جس نے ہمیں پاکستان جیسی دولت وسلطنت عطا کی۔ یقیناً اسی احساس کی بدولت ہم اس دولت کو دولتِ جاوید بنا سکیں گے، یہ اقبال کا پیغام ہے۔[۵۹]

ایک اور مقام پر انھوں نے تحریر کیا ہے:

”حقیقت یہ ہے کہ مرق ومغرب کے علوم کے امتزاج نے اقبالؔ کو اپنے لیے ایک نئی اور مستقل شاہراہ اختیار کرنے میں مدد دی، انھوں نے عجمی فلسفہ و تصوف کو مغربی دانش وحکمت کے معیار پر پرکھا اور پھر ان کے مقابلے سے ایک معتدل اور زندہ

حکمت پیدا کی جس پر مغرب کے بجائے مشرق کا اثر زیادہ معلوم ہوتا ہے۔"(۶۰)

مجموعی طور پر سرسید نے تعلیمی اور معاشی مسائل کے حل کے لیے مغربی تقلید کو لازم قرار دیا لیکن علامہ اقبال نے مغربی فلاسفہ کے مطالعہ کے بعد بعض نظریات کو قبول کیا اور بعض سے اختلاف بھی کیا۔ انھوں نے اپنے کلام اور افکار کے ذریعے یکسر مغرب کی پیروی سے منع کیا۔ علامہ اقبال نے مایوسی کے ان حالات میں مسلمانانِ ہند کو نااُمیدی کی بجائے "عمل" کا پیغام دیا۔ عہدِ اقبال کا تقاضا تھا کہ مسلمان مغربی مفکرین سے فطری قوتوں کی تشریح و توجیہہ سائنسی مشاہدات کی روشنی میں سیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے امتِ مسلمہ کو اپنی فلسفیانہ روایات پر نظر ثانی کی ضرورت سے آگاہ کیا۔ انھوں نے واضح کر دیا کہ اسلامی تعلیمات کی نبیاد پر جدید علوم کے ذریعے مسلمان مغرب کی بھی قیادت کر سکتے ہیں۔ انھوں نے اس کا اظہار مختلف مواقع پر کیا کہ مغربی مفکرین سے مرعوب ہونے کی اس قدر ضرورت نہیں ۔ بے چارگی، ترک و مایوسی سے نکل کر اسلامی روایات کو جدید علوم وفنون سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے جس کی بنیادیں مسلمان دانشوروں نے فراہم کی ہیں۔ بالِ جبریل میں لکھتے ہیں:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف(۶۱)

سرسید نے مغرب شناس کے طور پر ہندوستانی معاشرے کی فلاح اور برطانوی معاندانہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے سیاسی اور علمی محاذوں پر کام کیا۔ انھوں نے تحریر و تدبیر کی ایک ایسی شمع روشن کی جس نے علمی سطح پر پریشان حال قوم کو اپنے قدموں پر لا کھڑا کیا۔ اُن کی تیار کردہ رفقا کی جماعت نے اُن کے مشن کو ادبی، تعلیمی اور سیاسی سطح پر جاری رکھا۔ اُن کے جاری کردہ اقدامات تقاضائے وقت تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وقت برطانیہ اقتدار کے لحاظ سے قوی تھا۔ اُن کے خلاف لکھنا اپنی جان کو مشکلات میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ دورِ اقبال میں برطانوی نوآبادیات آزاد ہو رہی تھیں۔ ایسے میں اُن کے خلاف لکھا جا رہا تھا۔ انگریز اپنے مخالفین کو کم کرنے کی غرض سے "سر" اور "شمس العلما" کے خطابات سے نواز رہے تھے۔ علامہ اقبال کی مغرب شناسی سرسید سے موافقت اور اپنے مشرقی تشخص کے تحفظ سے عبارت ہے۔ انھوں نے مغرب کی عمدہ روایات کو قبول کیا اور مشرقیت کی پہچان بھی بنے۔ اُن کی حیات میں ہی مغرب نے اُن کے نظریات کو اہمیت دی۔ معروف دانش وروں نے اُن کی تخلیقات کو اپنی اپنی زبانوں میں منتقل کیا۔ علامہ اقبال نے مولانا روم کی تقلید اس لیے کی کہ اپنی ذات کو عمل کی قوّت سے مستحکم و مضبوط کیا جائے۔ ادب کو ترک وفنا کی بجائے جذبہ عمل سے قوم کی بقا کے لیے استعمال کیا جائے۔ دونوں اکابر کے مطالعۂ مغرب سے عہدِ حاضر میں بھی نئے علمی دریچے وا کیے جا سکتے ہیں۔

حواشی

۱۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب)، مُسافرانِ لندن از سرسیّد احمد خاں، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء)، ص ۲۱، اشاعت اوّل

۲۔ ایضاً، ص ۲۳

۳۔ ایضاً، خطوط بنامِ سرسید، (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، جون ۱۹۹۵ء)، ص ۳۵، طبع اوّل

۴۔ پروفیسر سید احتشام حسین، علی گڑھ تحریک کے اساسی پہلو مشمولہ نگارِ پاکستان 'سرسید نمبر'، حصہ دوم، جنوری-فروری ۱۹۷۱ء بحوالہ جہاتِ سرسید، ص ۱۰۳

۵۔ اکبر الٰہ آبادی، کلیاتِ اکبر الہ آبادی، جلد اوّل، (کراچی: بزمِ اکبر، ۱۹۷۰ء)، ص ۳۲۷

۶۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب)، خطوط بنامِ سرسید، ص ۴۸

۷۔ ایضاً، ص ۴۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۹۔ ایضاً، ص ۲۶۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۶۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۷۱

۱۲۔ ڈاکٹر رخسانہ صبا (مرتب)، جہاتِ سرسید، (کراچی: انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، اکتوبر ۲۰۱۷ء)، ص ۳۰۷

۱۳۔ ڈاکٹر سید عابد حسین، مشمولہ نگارِ پاکستان 'سرسید نمبر'، حصہ دوم، جنوری-فروری ۱۹۷۱ء، ص ۱۰۸ تا ۱۱۰

۱۴۔ ڈاکٹر رخسانہ صبا (مرتب)، جہاتِ سرسید، ص ۴۳ تا ۴۷

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۸ تا ۵۲

۱۶۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب)، خطوط بنامِ سرسید، ص ۱۲

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۶

۱۸۔ اصغر عباس (مرتبہ)، سرسید کی تعزیتی تحریریں، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۹ء)، ص ۳۸

۱۹۔ ایضاً، ص ۷۸

۲۰۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب)، مُسافرانِ لندن از سرسیّد احمد خاں، ص ۱۰۷-۱۰۸

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۰۷

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۰۸

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۲۸

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۲۹

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ محمد اکرام چغتائی (مرتب)، مضامین سرسید، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۳۸۷

۲۸۔ ایضاً، ص ۴۲۹

۲۹۔ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء)، ص ۸۴۷، اشاعت دوم

۳۰۔ سید نذیر نیازی، اقبال کے حضور، جلد اول، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۱ء)، ص ۲۸۵

۳۱۔ علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص ۸۴

۳۲۔ ایضاً، ص ۸۴

۳۳۔ آلِ احمد سرور، پیش لفظ، مشمولہ اقبال اور مغربی فکر از پروفیسر وحید الدین (سری نگر: اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونی ورسٹی، ا کتوبر ۱۹۸۱ء)، ص ۶

۳۴۔ پروفیسر وحید الدین، اقبال اور مغربی فکر، (سری نگر: اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونی ورسٹی، اکتوبر ۱۹۸۱ء)، ص ۳۸

۳۵۔ آلِ احمد سرور، اقبال اور مغرب، (سری نگر: اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونی ورسٹی، فروری ۱۹۹۷ء)، ص ۵، ۶

۳۶۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، اقبال: مسائل و مباحث، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۰ء) ص ۶۷

۳۷۔ جگن ناتھ آزاد، اقبال اور مغربی مفکرین، (دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۵ء)، ص ۱۳

۳۸۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، اقبال کا ذہنی و فکری ارتقا، (لاہور: بزم اقبال، اکتوبر ۱۹۹۸ء)، ص ۲۷

۳۹۔ آل احمد سرور: اقبال اور مغرب، ص ۱۸۷

۴۰۔ جگن ناتھ آزاد، اقبال اور مغربی مفکرین، ص ۲۹

۴۱۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، اشارات تنقید، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۸۲

۴۲۔ الف: محمد اقبال، بانگِ درا، (لاہور: غلام علی سنز، ۱۹۷۶ء) ص ۷۷

ب: ایضاً، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص ۱۰۴

۴۳۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، اقبال کا ذہنی و فکری ارتقا، ص ۲۸

۴۴۔ ایضاً، ص ۲۶

۴۵۔ ایضاً، ص ۲۹

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ایضاً، ص ۲۷

۴۸۔ ایضاً، ص ۲۸

۴۹۔ ایضاً، ص ۲

۵۰۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی، چٹا گانگ یونی ورسٹی، بنگلہ دیش

۵۱۔ پی ایچ ڈی محقق، شعبہ اصول الدین اور تقابل ادیان، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی ملائیشیا (IIUM)

۵۲۔ ڈاکٹر محمد نعمت اللہ و عبداللہ المسعود، اقبال کا جدید مغربی فکر پر ردعمل: ایک تنقیدی تجزیہ مشمولہ *International Journal of Humanities and Social Sciences* شمارہ ۵، جلد ۸، اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص ۲۷-۳۶

۵۳۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، فکرِ اقبال، (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۱۷

۵۴۔ نذیر قیصر، *Iqbal and the Western Philosophers*، (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۱۰

۵۵۔ ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۲۰۰۷ء)، ص ۳۹۱

۵۶۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ (ترجمہ بلال احمد زبیری)، (کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونی ورسٹی، ۱۹۶۷ء)، ص ۳۳۱

۵۷۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۱۸۷
۵۸۔ آلِ احمد سرور، اقبال اور مغرب، ص ۲۰۰
۵۹۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، اقبال: مسائل و مباحث، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۰ء) ص ۳۷-۳۶
۶۰۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، مقاماتِ اقبال، (دہلی: چمن بک ڈپو، س ن)، ص ۲۱۰
۶۱۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۳۷-۳۶

مآخذ

۱۔ آزاد، جگن ناتھ، اقبال اور مغربی مفکرین، دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۵ء
۲۔ الہ آبادی، اکبر، کلیاتِ اکبر الہ آبادی، جلد اوّل، کراچی: بزمِ اکبر، ۱۹۷۰ء
۳۔ اقبال، محمد، علامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء، اشاعت دوم
۴۔ اقبال، محمد علامہ، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء
۵۔ اقبال، محمد، علامہ، بانگِ درا، لاہور: غلام علی سنز، ۱۹۷۶ء
۶۔ چغتائی، محمد اکرام (مرتب)، مضامین سرسید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء
۷۔ ذوالفقار، غلام حسین، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی و فکری ارتقا، لاہور: بزم اقبال، اکتوبر ۱۹۹۸ء
۸۔ سدید، انور، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۲۰۰۷ء
۹۔ سرور، آلِ احمد، اقبال اور مغرب، سری نگر: اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونی ورسٹی، فروری ۱۹۹۷ء
۱۰۔ سرور، آلِ احمد پیش لفظ، مشمولہ اقبال اور مغربی فکر از پروفیسر وحید الدین، سری نگر: اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونی ورسٹی، ا کتوبر ۱۹۸۱ء
۱۱۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب)، مُسافرانِ لندن از سرسیّد احمد خاں، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء، اشاعت اوّل
۱۲۔ ایضاً، خطوط بنامِ سرسید، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، جون ۱۹۹۵ء، طبع اوّل
۱۳۔ صبا، رخسانہ، ڈاکٹر (مرتب)، جہاتِ سرسید، کراچی: انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، اکتوبر ۲۰۱۷ء
۱۴۔ عباس، اصغر (مرتبہ)، سرسید کی تعزیتی تحریریں، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۹ء
۱۵۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء
۱۶۔ عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، اشاراتِ تنقید، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء
۱۷۔ عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، مقاماتِ اقبال، دہلی: چمن بک ڈپو، س ن
۱۸۔ قریشی، اشتیاق حسین، ڈاکٹر، برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، ترجمہ: بلال احمد زبیری، کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونی ورسٹی، ۱۹۶۷ء
۱۹۔ قیصر، نذیر، *Iqbal and the Western Philosophers*، لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۲۰۱۱ء
۲۰۔ نیازی، نذیر، سیّد، اقبال کے حضور، جلد اول، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۱ء
۲۱۔ وحید الدین، پروفیسر، اقبال اور مغربی فکر، سری نگر: اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونی ورسٹی، اکتوبر ۱۹۸۱ء
۲۲۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر (مرتب)، اقبال: مسائل و مباحث، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۰ء

رسائل و جرائد

۱۔ نگارِ پاکستان 'سرسید نمبر'، حصہ دوم، جنوری-فروری ۱۹۷۱ء

۲۔ *International Journal of Humanities and Social Sciences* شمارہ ۵، جلد ۸، اکتوبر ۲۰۱۶ء

References:

1. Sheikh Muhammad Ismail Panipati (Ed.), *Sir Syed Ahmad Khan: Musafiran-i London*, (Lahore: Majlis Taraqqi-e-Adab, 1961), p. 21, 1st Ed.
2. Ibid, p. 23
3. Ibid, *Khutoot ba-nam-e-Sir Syed*, (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, June 1995), p. 35, 1st Ed.
4. Prof. Syed Ehtesham Hussain, *Aligarh Tehreek ke Asasi Pehlu* in *Nigar-e-Pakistan*, *Sir Syed Issue*, Part II, Jan-Feb. 1971, with reference to *Jihat-i- Sir Syed*, p. 103
5. Akbar Allahabadi, *Kulliyat-e-Akbar Allahabadi*, Vol. 1, (Karachi: Bazm-e-Akbar, 1970) p. 327
6. Muhammad Ismail Panipati (Ed.), *Khutoot ba-nam-e-Sir Syed*, p. 48
7. Ibid, p. 49
8. Ibid, p. 139
9. Ibid, p. 267
10. Ibid, p. 267
11. Ibid, p. 271
12. Dr. Rukhsana Saba (Ed.), *Jihat-e-Sir Syed*, (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, Oct. 2017), p. 307
13. Dr. Syed Abid Hussain, in *Nigar-e-Pakistan*, *Sir Syed Number*, Part II, Jan-Feb. 1971, p. 108-110
14. Dr. Rukhsana Saba (Ed.), *Jahat-e Sir Syed*, p. 43-47
15. Ibid, p. 48-52
16. Muhammad Ismail Panipati (Ed.), *Khutoot ba-nam-e-Sir Syed*, p.12
17. Ibid, p.16
18. Asghar Abbas (Ed.), *Sir Syed ki Taziati Tehrirain*, (Aligarh: Educational Book House, 1989), p. 38
19. Ibid, p. 78
20. Sheikh Muhammad Ismail Panipati (Ed.), *Sir Syed Ahmad Khan: Musafiran-e-London*, pp. 107-108
21. Ibid, p. 120
22. Ibid, p.207
23. Ibid, p.208
24. Ibid, p. 228
25. Ibid, p. 229
26. Ibid

27. Muhammad Ikram Chughtai (Ed.), *Mazameen-e-Sir Syed*, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2014), p. 387
28. Ibid, p.429
29. Iqbal, *Kalyat-e-Iqbal Farsi*, (Lahore: Iqbal Akademi Pakistan, Publication II, 1994), p. 748
30. Syed Nazir Niazi, *Iqbal kay Huzoor*, Vol. I, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1981), p. 285
31. Allama Muhammad Iqbal, *Kulyat-e-Iqbal* (Urdu), (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2018), p. 84
32. Ibid
33. Aal-e-Ahmad Suroor, *Preface* in *Iqbal aur Maghribi Fikr*, by Syed Wahiduddin, (Srinagar: Iqbal Institute, University of Kashmir, October 1981), p. 6
34. Syed Wahiduddin, *Iqbal aur Maghribi Fikr*, Ibid, p. 38
35. Aal-e-Ahmad Suroor, *Preface* in *Iqbal aur Maghribi Fikr*, by Syed Wahiduddin, p. 5-6
36. Dr. Rafiuddin Hashmi (Ed.), *Iqbal: Masa'il-o-Mubahis*, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2010) p. 67
37. Jagannath Azad, *Iqbal aur Maghribi Mufakkirin*, (Delhi: Maktaba Jamia, 1975), p. 13
38. Prof. Dr. Ghulam Hussain Zulfiqar, *Iqbal ka Zehni-o-Fikri Irteqa*, (Lahore: Bazm-e-Iqbal, October 1998), p. 27
39. Aal-e-Ahmad Suroor, *Iqbal Aur Maghrib*, (Srinagar: Iqbal Institute, University of Kashmir, February 1997), p. 187
40. Jagannath Azad, *Iqbal aur Maghribi Mufakkirin*, p.29
41. Dr. Syed Abdullah, *Isharat-e-Tanqeed*, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1993), p. 182
42. Allama Muhammad Iqbal, *Bang-e-Dara*, (Lahore: Ghulam Ali Sons, 1976), p. 77
1. B: Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal* (Urdu), p. 104
43. Prof. Dr. Ghulam Hussain Zulfiqar, *Iqbal ka Zehni- o-Fikri Irteqa*, p. 28
44. Ibid, p. 26
45. Ibid, p. 29
46. Ibid
47. Ibid, p. 27
48. Ibid, p. 28
49. Ibid, p. 2
50. Assoc. Prof., Dept. of Arabic, University of Chittagong, Bangladesh
51. PhD Researcher, Dept. Usool-e-Deen and Comparative Religions, International Islamic University Malaysia (IIUM)
52. Dr. Muhammad Naimatullah & Abdullah Al-Mas'ud, *Iqbal's Response to Modern Western Thought: A Critical Analysis* in *International Journal of Humanities and Social Sciences*, No. 5, Volume 8, Oct. 2016, pp. 27-36

53. Dr. Khalifa Abdul Hakeem, *Fikr-e-Iqbal*, (Lahore: Bazm-e-Iqbal, 1988), p. 217
54. Nazir Qaiser, *Iqbal and the Western Philosophers*, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2011), p. 210
55. Dr. Anwar Sadeed, *Urdu Adab ki Tehreekain*, (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 2007), p. 391
56. Dr. Ishtiaq Hussain Qureshi, *Bar-e-Azeem Pak-o-Hind ki Milat-e-Islamia* (Trans. by Bilal Ahmad Zuberi), (Karachi: Bureau of Compilation, Composition and Translation, University of Karachi, 1967), p. 331
57. Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal* (Urdu), p. 187
58. Aal-e-Ahmad Suroor, *Iqbal aur Maghrib,* (Srinagar: Iqbal Institute, University of Kashmir, February 1997), p. 200
59. Dr. Rafiuddin Hashmi (Ed.), *Iqbal: Masail-o-Mubahis*, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2010) p. 373
60. Dr. Syed Abdullah, *Maqamat-e-Iqbal*, (Delhi: Chaman Book Depot, n. d., p. 210
61. Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal* (Urdu), p. 373

Bibliography:

1. Aal-e-Ahmad Suroor, *Preface* in *Iqbal aur Maghribi Fikr*, by Syed Wahiduddin, Srinagar: Iqbal Institute, University of Kashmir, October 1981
2. ____, *Iqbal Aur Maghrib*, Srinagar: Iqbal Institute, University of Kashmir, February 1997
3. Abbas, Asghar (Ed.), *Sir Syed ki Taziati Tehrirain*, Aligarh: Educational Book House, 1989
4. Abdul Hakeem, Khalifa, Dr.,, *Fikr-e-Iqbal*, Lahore: Bazm-e-Iqbal, 1988
5. Abdullah, Syed, Dr., *Maqamat-e-Iqbal*, (Delhi: Chaman Book Depot, n. d.
6. ____, *Isharat-e-Tanqeed*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1993
7. Allahabadi, Akbar, *Kulliyat-e-Akbar Allahabadi*, Vol. 1, Karachi: Bazm-e-Akbar, 1970
8. Azad, Jagannath, *Iqbal aur Maghribi Mufakkirin*, Delhi: Maktaba Jamia, 1975
9. Chughtai, Muhammad Ikram (Ed.), *Mazameen-e-Sir Syed*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2014
10. Hashimi, Rafiuddin, Dr., (Ed.), *Iqbal: Masa'il-o-Mubahis*, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2010
11. Iqbal, Muhammad, Allama, *Kalyat-e-Iqbal* (Farsi), Lahore: Iqbal Academy Pakistan, Publication II, 1994
12. ____, *Kulyat-e-Iqbal* (Urdu), Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2018
13. ____, *Bang-e-Dara*, Lahore: Ghulam Ali & Sons, 1976
14. Niazi, Nazir, Syed, *Iqbal kay Huzoor*, Vol. I, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1981
15. Panipati, Muhammad Ismail, Sheikh (Ed.), *Sir Syed Ahmad Khan: Musafiran-e-London*, Lahore: Majlis Taraqqi-e-Adab, 1961, 1st Ed.
16. ____, *Khutoot ba-nam-e-Sir Syed*, ____, June 1995, 1st Ed.

17. Qaisar, Nazir, *Iqbal and the Western Philosophers*, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2011
18. Qureshi, Ishtiaq Hussain, Dr., *Bar-e-Azeem Pak-o-Hind ki Milat-e-Islamia*, Trans. by Bilal Ahmad Zuberi, Karachi: Bureau of Compilation, Composition and Translation, University of Karachi, 1967
19. Saba, Rukhsana, Dr., (Ed.), *Jihat-e-Sir Syed*, Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, Oct. 2017
20. Sadeed, Anwar, Dr., *Urdu Adab ki Tehreekain*, Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 2007
21. Suroor, Aal-e-Ahmad, *Iqbal aur Maghrib*, Srinagar: Iqbal Institute, University of Kashmir, February 1997
22. Zulfiqar, Ghulam Hussain, Prof. Dr., *Iqbal ka Zehni-o-Fikri Irteqa*, Lahore: Bazm-e-Iqbal, October 1998)

Magazines & Journals:

1. *International Journal of Humanities and Social Sciences*, No. 5, Vol. 8, Oct. 2016.
2. *Nigar-e-Pakistan, Sir Syed Number*, Part II, Jan-Feb. 1971.

۞۞